ہدایت دائمی فیض اور واسطہ فیض

ڈاکٹر شیخ محمد حسنین*
Sheikh.hasnain26060@gmail.com

خداوند تعالی اس کائنات کا خالق بھی ہے الٰہی اور ہادی بھی۔ ہدایتِ الٰہی کا فیض دائمی ہے اور کائنات کی ہر چیز ہر آن یہ فیض پا رہی ہے۔ کائنات میں فیضِ ہدایت کے دوام پر ایک دلیل خداوند تعالی کی "قیّومیّت" ہے۔ در حقیقت، کائنات کی ہر چیز کا ذاتی فقر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے میں ہر آن خدا کی ہدایت کی محتاج ہو۔ خدا کے فیض ہدایت کے دوام کی دوسری دلیل، طلب ہدایت کا دوام ہے۔ بنی نوع انسان کو قرآن کریم میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ دائمی طور پر بارگاہ الٰہی سے فیضِ ہدایت پانے کی دعا کرے اور یہ امر از خود اس بات کی دلیل ہے کہ ہدایت کا فیض دائمی ہے۔ نیز اگر قرآن کریم کی صورت میں ہدایت الٰہی کا فیض ہمیشہ کیلئے جاری ہے تو یہ دعوی ثابت شدہ ہے کہ ہدایتِ الٰہی کا فیض دائمی ہے۔

لیکن یہاں سوال یہ ہے کہ آیا خداوند تعالی کی یہ دائمی ہدایت، بغیر کسی واسطۂ فیض کے جاری ہے؟ اس سوال کے جواب میں کئی موٴقف اپنائے جا سکتے ہیں۔ یہاں واسطۂ فیض کی ضرورت کا سرے سے انکار بھی کیا جا سکتا ہے اور اس واسطہ کو ایک دو واسطوں میں محدود و منحصر بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہاں حقیقت یہ ہے کہ جہاں ہدایتِ الٰہی کا فیض دائمی ہے، وہاں اِس فیض کے بنی نوع بشر تک پہنچنے کیلئے واسطۂ فیض کا دوام بھی شرط ہے۔ اور اگر ایسا ہے تو یہ واسطہ کیا ہے؟ یا کون ہیں؟

یہاں قرآن کریم کی بیسیوں آیات کی روشنی میں واسطۂ فیض کی تشخیص کا جو معیار ہمارے پاس ہے وہ یہ کہ فیضِ ہدایت کے اس واسطہ کو لازمی طور پر: (۱) خدا کا انتخاب شدہ ہونا چاہیے؛ کیونکہ قرآن کریم کی کئی آیات کی روشنی میں خداوند تعالی نے بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے جس شخص یا شئے کو بھی واسطہ قرار دیا ہے اُس کا انتخاب خود فرمایا ہے۔ فیضِ ہدایت کے واسطہ کو ہر قسم کی خطا و لغزش اور سہو و نسیان سے "معصوم" ہونا چاہیے۔ اس دعوی کی عمدہ دلیل بھی یہ ہے کہ قرآن کریم کی کئی آیات کی روشنی میں خداوند تعالی نے ہدایتِ بشر کیلئے جس واسطہ کا بھی انتخاب فرمایا ہے، وہ ہدایتِ الٰہی کے فیض کو بنی نوع بشر تک پہنچانے کے عمل میں ہر قسم کی تحریف، خطا و لغزش اور عصیان و نسیان سے پاک ہے۔ لہٰذا عصرِ حاضر کے انسان کیلئے ہدایت الٰہی کا ایک ایسا واسطہ جو خدا کی بارگاہ کا "منتخب" بھی ہو اور "معصوم" بھی فقط اہل تشیع کے نظریۂ "امامت" میں تجسم پاتا ہے۔

*۔ ڈائریکٹر نمت نور الہدیٰ ٹرسٹ، بھارہ کہو، اسلام آباد

مقدمہ

سہ ماہی ''نور معرفت'' کی جلد ۳، شمارہ ۱ (جنوری تا مارچ ۲۰۱۲ء) میں ''نبوت، ختم نبوت اور دین کی تکمیل'' کے عنوان سے راقم الحروف کا ایک مقالہ چھپ چکا ہے۔ اس مقالے کا ایک ذیلی عنوان ''ہدایت'' تھا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ خداوند تعالیٰ، نہ تنہا عالم ہستی کا خالق، بلکہ اس کا ''ہادی'' بھی ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی ارشادِ ربانی ہے:

'' قَالَ رَبُّنَا الَّذِی أَعْطیٰ کُلَّ شَیْئٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدیٰ'' (1)

یعنی: ''موسیٰ نے کہا: ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شئے کو اُس کی خلقت بخشی، پھر ہدایت دی''۔

اس حوالے سے ایک اور مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی ارشاد باری تعالی ہے:

'' الَّذِی خَلَقَنِی فَهُوَیَهْدِینِ'' (2)

یعنی: '' (عالمین کا پروردگار) وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا؛ پھر وہی مجھے ہدایت دیتا ہے۔''

ایک اور مقام پر خداوند تعالی نے اپنی مخلوق کی ہدایت کو اپنا فریضہ قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

''اِنَّ عَلَیْنَا لَلْهُدیٰ'' (3)

یعنی: ''یقینا راستہ دکھانا ہماری ذمہ داری ہے۔''

نیز خداوند تعالی کی یہ ہدایت اتنی عام ہے کہ ہر ذی شعور اور غیر ذی شعور چیز کو حاصل ہے:

'' الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی وَ الَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدیٰ'' (4)

یعنی: '' جس نے خلق کیا اور توازن پیدا کیا؛ اور جس نے تقدیر بنائی، پھر ہدایت بخشی۔''

چنانچہ ''تقدیر''، تخلیق سے بھی گویا آگے کا ایک مرحلہ ہے اور منصوبہ بندی کے معنوں میں اور ہر مخلوق کیلئے ایک خاص ہدف، منزل، راہ و رسم اور حدود و قیود کی ترسیم کے معنوں میں ہے۔ یعنی خداوند تعالی نے کائنات کی ہر شئے کی ایک منزل معین فرمائی ہے اور اُس کے اندر اِس منزل تک پہنچنے کی ہدایت رکھ دی ہے۔ لہٰذا انسان بھی اس کلی قانون سے خارج نہیں ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

''وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰها فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰیهَا '' (5)

یعنی: ''اور نفس کی (قسم) اور اس کی جس نے اسے معتدل بنایا؛ پھر اسے بدکاری اور بدکاری سے بچنے کی سوجھ بوجھ عطا کی۔''

بنابرایں، اللہ تعالی نے جس چیز کو بھی خلق فرمایا ہے، اُسے ہدایت بھی عطا کی ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر اشارہ ہوا، یہاں یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ کسی شخص یا شئے کی ہدایت اُس وقت معنی پاتی ہے جب اس کی کوئی منزل مقصود بھی معیّن ہو۔ لہٰذا ان آیات سے جو بات بڑی واضح طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ وجود پانے کے بعد کائنات کی ہر شئے کیلئے بالعموم اور انسان کیلئے بالخصوص کوئی منزل مقصود معین ہے جس تک پہنچنا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ مخلوقات کو اپنی منزل مقصود کا شعور تنہا خداوند تعالی کی رہنمائی کی صورت میں ہی حاصل ہو سکتا ہے، لہٰذا اُن کی رہنمائی اور ''ہدایت'' خدا پر ہے اور خداوند تعالی جہاں عالم کائنات کی اشیاء کو خلق فرماتا ہے، وہاں انہیں منزل مقصود تک پہنچنے کی ہدایت بھی عطا فرماتا ہے۔

ہاں! اس فرق کے ساتھ کہ جنّات اور انسان کے علاوہ دیگر تمام موجودات عالم میں ہدایت کا یہ سلسلہ ''تکوینی'' ہے؛ یعنی ''ایصال الی المطلوب'' یا دوسرے الفاظ میں ''منزل مقصود تک پہنچا دینے'' کے معنوں میں ہے۔ مثال کے طور پر خداوند تعالی آم کی گٹھلی کا خالق بھی ہے اور اُس کا ہادی بھی؛ یعنی آم کی گٹھلی کو گٹھلی بنا کر خود اُس کے حال پر چھوڑ نہیں دیتا کہ اب خود سفر طے کرتی آم کا درخت بنے، بلکہ اپنی قدرت کاملہ کے طفیل ہر آن اُسے آم کا درخت بننے کی جانب لے جاتا ہے؛ یہاں تک کہ یہ گٹھلی آم کا قدآور درخت بن جاتی ہے۔ ہدایت کے اس سلسلہ کو ''ہدایت تکوینی'' یا ''ایصال الی المطلوب'' یعنی ''انگلی پکڑ کر منزل مقصود تک پہنچا دینا'' کہا جاتا ہے۔

جہاں تک جنّات اور انسانوں کا تعلق ہے تو اُن کے اختیاری افعال میں ہدایت کا یہ سلسلہ ''تشریعی'' اور ''ارائۃ الطریق'' یا دوسرے الفاظ میں ''منزل دکھانے'' کے معنوں میں ہے۔ یعنی خداوند تعالی جنّ و انس کو اُن کی اُنگلی پکڑ کر منزل مقصود تک نہیں لے جاتا، بلکہ انہیں ارادہ و اختیار اور عقل و شعور کی قدرت عطا کرنے کے بعد فقط رہنمائی فرماتا ہے کہ تمہاری منزل مقصود کیا ہے اور تمہیں اس منزل تک کیسے پہنچنا ہے۔ درحقیقت، انسان کا دیگر مخلوقات پر امتیاز اسی میں ہے کہ وہ اپنے ارادے اور اختیار سے انسانیت کی منزل مقصود تک خدا کی عطا کردہ طاقت و استعداد کے سہارے خود پہنچ سکتا ہے۔

بہر صورت، عالم کائنات کی ہر چیز، ہر آن ہدایت کا فیض پا رہی ہے اور اسی ہدایت الٰہی کے طفیل یہ نظام ہستی چل رہا ہے۔ پانی اگر ہے اور سیراب کر رہا ہے، خاک اگر ہے اور اُگا رہی ہے، گٹھلی اگر ہے اور درخت بن رہی ہے، درخت اگر ہے اور پھل دے رہا ہے، سورج اگر ہے اور گردش کر رہا ہے، افلاک اگر ہیں اور اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں، انسان اگر ہے اور فعالیت کر رہا ہے۔۔۔ تو یہ سب کچھ ہر آن، ہدایت الٰہی کے دائمی فیض کے طفیل ہو رہا ہے۔

پس ہدایت کا یہ فیض دائمی ہے اور یہی اس مقالے کا مدعی ہے؛ نیز ہمارا مدعی یہ بھی ہے کہ ہدایت کا یہ دائمی فیض ہمیشہ ایک واسطۂ فیض کے طفیل ہی جاری ہے کہ جب بھی انسان اُس واسطۂ فیض کے دروازے سے بھٹک جائے، فیضِ ہدایت سے محروم اور گمراہ ہو جاتا ہے۔ ذیل میں ہم پہلے اِس امر پر چند دلائل پیش کریں گے کہ ہدایت بنی نوع بشر کا الٰہی فیض دائمی ہے اور اس میں کوئی تعطل اور کوئی وقفہ نہیں ہے اور اگلے مرحلہ میں یہ بات ثابت کی جائے گی کہ ہدایت کا یہ فیض، ایک مخصوص واسطۂ فیض کے بغیر انجام نہیں پا سکتا۔

ہدایت کے فیض کے دوام کے دلائل

1۔ خداوند تعالی کی نگہبانی

فیضِ ہدایت کے دوام پر سب سے اہم دلیل، خداوند تعالی کی "قَيُّوْمِيَّتْ" یا "نگہبانی" ہے۔ اسمائے حسنیٰ الٰہی میں سے ایک انتہائی اہم اسم "القیّوم" ہے۔ چنانچہ ارشاد ربّانی ہے:

"اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَيُّوْمُ" (6)

یعنی: "اللہ وہ (ذات) ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ اور سب کا نگہبان ہے۔"

عربی قواعد کے لحاظ سے "القیّوم" مبالغے کا صیغہ ہے اور یہ اِسم اُس ہستی پر بولا جاتا ہے جو نہ فقط خود قائم ہو بلکہ دوسروں کی بھی نگہبانی کرے اور انہیں سنبھالے رکھے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں علامہ طباطبائیؒ کا ارشاد ہے:

"و القیام هو حفظ الشیء و فعله و تدبیره و تربیته و المراقبة علیه و القدرة علیه۔۔۔"

یعنی: ''قیام، نام ہے کسی شئے اور اُس کے فعل کو سنبھالنے، اُس کی تدبیر اور تربیت کرنے اور اس کی نگہبانی اور اس پر قادر ہونے کا۔'' (7)

اس مختصر عبارت میں علامہ طباطبائیؒ یہ بتا رہے ہیں کہ نہ تنہا ہر شئے اور شخص کی حفاظت اور نگہداری خدا کا کام ہے، بلکہ ہر شئے اور شخص کی تأثیر اور فعل کی حفاظت بھی خداوند تعالی کا کام ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جائے کہ خداوند تعالی مثال کے طور پر نہ تنہا پانی کو پانی باقی رکھتا ہے بلکہ اُس میں پیاس بجھانے کی تأثیر بھی ہر آن خدا کی ''نگہبانی'' کی محتاج ہے۔ اگر ایک آن کیلئے خداوند تعالی کی ''نگہبانی'' نہ ہو، پانی، پانی نہیں رہے گا، اور اگر خدا کی ''نگہبانی'' نہ ہو، پانی میں پیاس بجھانے کی تأثیر بھی نہیں رہے گی۔ اگر خداوند تعالی کی ''نگہبانی'' نہ ہو، کوئی انسان، انسان باقی نہیں رہے گا، اگر خداوند تعالی کی ''نگہبانی'' نہ ہو، کوئی انسان نہ انسانی افعال انجام دے سکے گا، نہ اس میں انسانی کمالات باقی رہیں گے۔

بنابرایں، ''القیّوم'' کا اطلاق اُس ذات پر ہوتا ہے جو کائنات کی ہر شئے اور ہر شئے کی تأثیر اور اس کے فعل کو سنبھالے ہوئے ہے؛ ہر شئے کی تدبیر و تربیت اُس کے ذمہ اور ہر شئے کی نگہبانی اور اُس پر غلبہ و قدرت اُسے حاصل ہے اور یہ ذات فقط اور فقط اللہ تبارک و تعالی کی ذات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں ''حیات'' اور ''قیّومیّت'' کو اللہ تبارک و تعالی کی ذات میں منحصر کر دیا گیا ہے: '' هُوَالْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔''

علامہ طباطبائیؒ کے بقول خداوند تعالی کی قیّومیّت اس قدر عام اور وسیع ہے کہ: ''۔۔۔ موجودات ہستی کا نظام، خواہ خود یہ موجودات ہوں، خواہ اُن میں پائے جانے والے اثرات ہوں، سب کچھ اللہ تعالی کی قیّومیّت کے تحت چل رہا ہے؛ وہ بھی نہ تنہا عالم طبیعت کے فاقدِ شعور اسباب کی سی قیمومت؛ بلکہ ایسی زندہ قیّومیّت کہ جس کا لازمہ، علم اور قدرت ہے۔ پس اللہ تعالی کا علم سب اشیاء میں نافذ ہے، اُس پر کوئی چیز مخفی نہیں اور اللہ تعالی کی قدرت بھی سب پر غالب ہے؛ لہٰذا جب تک خدا کا اِذن اور اس کی مرضی و مشیّت نہ ہو، کائنات میں کچھ تحقق نہیں پا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ (آیۃ الکرسی کے) دو آیات بعد ارشاد فرماتا ہے: ''بے شک اللہ پر زمین و آسمان میں کوئی چیز مخفی نہیں ہے، وہ وہی ہے جو ماؤں کے رحموں میں جیسی چاہتا ہے تمہاری تصویریں بناتا ہے۔'' (8)

خداوند تعالی کی ''قیّومیّت'' پر ذیل کی آیۂ شریفہ بھی بخوبی دلالت کرتی ہے:

شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ وَ الْمَلاَئِكَةُ وَ أُوْلُوا الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لاَ إِلَهَ إِلاَّ هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ۔ (9)

یعنی: ''اللہ نے خود گواہی دی ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں اور اہل علم نے بھی یہی گواہی دی ہے؛ وہ عدل قائم کرنے والا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ بڑا غالب اور حکمت والا ہے۔''

اس آیت کی تفسیر میں علامہ طباطبائیؒ کا بیان یہ ہے کہ: ''خدا نے موجودات عالم کو ایک عادلانہ نظام کے تحت قائم رکھا ہے۔ لہٰذا وہ عالم ہستی میں جسے جو کچھ عطا کرتا ہے، عدل کی ترازو پر عطا کرتا ہے اور جس سے جو کچھ روکتا ہے تو بھی عدل کی ترازو پر روکتا ہے۔'' علامہؒ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ: ''اس بیان سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ''القیّوم'' کا نام، خداوند تعالی کے تمام اسمائے اضافیہ (وہ اسماء جو ایسے معانی پر دلالت کرتے ہیں جو ایک لحاظ سے ذاتِ باری سے خارج ہیں؛ جیسے خالق، رازق۔۔۔) کا سرچشمہ ہے۔'' (10)

بنابرایں، قرآن کریم نے خداوند تعالی کی مقدس ذات کو ''قیّوم'' قرار دیا ہے اور ''قیّومیّت'' کے دل میں تمام اسمائے حسنیٰ الٰہی چھپے ہوئے ہیں۔ لہٰذا خداوند تعالی کا ''ہادی'' ہونا بھی اس کے قیّوم ہونے کا لازمہ ہے اور اس کی ''قیّومیّت'' کے دل میں ''ہدایت'' نہفتہ ہے؛ کیونکہ جو ''قیّوم'' ہو ضروری ہے کہ وہ ہادی بھی ہو۔

لیکن سوال یہ ہے کہ آیا خداوند تعالی کی ''نگہبانی'' کسی خاص مکان و زمان کے ساتھ محدود ہے یا وہ مقدس ذات ہر آن اور ہر لمحہ، ازل سے ابد تک ''قیّوم'' ہے؟ یقیناً وہ ہر آن اور ہر لمحہ ''قیّوم'' ہے اور جب ہر لمحہ قیّوم ہے تو ماننا پڑے گا کہ اس کی ہدایت کا فیض بھی ہر آن جاری اور دائمی ہے اور ہدایت کی یہ جوئے رواں ہر آن کمالِ طہارت کے ساتھ بہہ رہی ہے اور تشنگانِ نور و معرفت کو سیراب کر رہی ہے۔ کائنات کی ہر شئے کی تخلیق اور اس کی ہدایت، خداوند تعالی کی ناقابل تغییر سنت ہے۔ خدا کی دائمی نگہبانی، ہر شئے کو ہر لمحہ فیضِ ہدایت کے ساغر پلا رہی ہے اور کاروانِ کائنات، تنہا اُس مقدس ذات کے دائمی فیضِ ہدایت کے طفیل سوئے منزل رواں دواں ہے۔ بنابرایں، انسانیت کا کارواں بھی اگر اپنی منزلِ مقصود کی طرف گامزن ہے تو اُس کی دائمی ہدایت کے سہارے گامزن ہے۔

2۔ طلب ہدایت کا دوام

ہدایتِ الٰہی کے فیض کے دوام پر دوسری بڑی دلیل، طلبِ ہدایت کا دوام ہے۔ قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں جہاں خداوند تعالی "قیوم" ہے اور اس کی "نگہبانی" کی کوکھ میں "ہدایت" کا دائمی فیض نہفتہ ہے، وہاں تمام مخلوقات، بشمول انسان، سب کی ذات میں ہدایت کی طلب کا دائمی تقاضا پوشیدہ ہے۔ ایک طرف مسلسل فیاضی اور عطا و بخشش ہے، جبکہ دوسری طرف مسلسل گدائی، فقر اور اخذ و قبول ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

"یٰاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ اِلَی اللّٰهِ وَ اللّٰهُ هُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیدُ۔ (11)

یعنی: " اے لوگو! تم بس اللہ کی بارگاہ میں فقیر ہی ہو اور اللہ ہی بے نیاز اور لائق ستائش ہے۔"

چنانچہ جس طرح اس کائنات کی ہر شئے اپنے وجود اور اپنے فعل اور تاثیر میں ہر آن فیضِ الٰہی کی محتاج ہے، اسی طرح انسان بھی ہر آن اپنے وجود اور اپنی بقا میں، نیز اپنی حرکت اور فعالیت میں فیضِ الٰہی کا محتاج ہے۔ لہٰذا انسان کی طرف سے ہدایت کی طلب اور احتیاج، ایک دائمی طلب اور احتیاج ہے۔ انسان کی طلبِ ہدایت کا یہ دوام اگرچہ ایک تکوینی حقیقت ہے، لیکن خداوند تعالی نے انسان کی اِس طلب کو اُس کی شعوری طلب میں بدلنے کی تعلیم دی ہے۔ اسی لیے ضروری ہے انسان روزانہ کم از کم پانچ نمازوں میں: "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیمَ" یعنی: "(اے اللہ!) ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرما!" (12) کہہ کر اِس حقیقت پر مہرِ تصدیق ثبت کرے کہ ہدایت کی طلب، اُس کی ایک دائمی طلب ہے۔

پس ایسا نہیں ہے کہ ایک بار ہدایت کے راستے پر آجانے کے بعد انسان ہدایتِ الٰہی کے فیض سے بے نیاز ہو جائے۔ لہٰذا ہدایت کی کوئی طلب اور دعا، یہ معنی و مفہوم نہیں رکھتی کہ انسان پہلے ہدایت یافتہ نہ تھا۔ پس ہدایت یافتہ انسان کو بھی ہر آنے والی آن میں ہدایت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اگر کہیں اس آیت کے ضمن میں کسی روایت میں طلبِ ہدایت سے مراد، ہدایت کے دوام اور راہِ ہدایت پر ثابت قدم رہنے کی بات ہوئی ہے تو یہ بات از خود اس امر کی تائید کرتی ہے کہ انسان کی ہدایت الٰہی کی طلب، ایک دائمی طلب ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ہر انسان کو ہر آن خدوند تعالی کی بارگاہ سے ہدایت کا فیض طلب کرنے کیلئے

دست نیاز اٹھائے اور چوبیس گھنٹوں میں کم از کم دس بار اپنی پنجگانہ نمازوں میں ہدایت کی یہ بھیک مانگتے ہوئے اس بات کی تصدیق کرے کہ ہدایت کا فیض دائمی ہے اور یہ خیرات مسلسل بانٹی جارہی ہے۔

3۔ قرآن کریم، کتاب ہدایت

ہدایت کے فیض کے دائمی ہونے پر تیسری اہم دلیل، خود قرآن کریم کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے کتابِ ہدایت ہونا ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالی ہے:

"ذَلِكَ الْكِتَابُ لاَ رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِلْمُتَّقِينَ" (13)

یعنی: "یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں؛ یہ کتاب اہل تقوی کیلئے ہدایت ہے"۔

اگرچہ ہدایت اخذ کرنے کی صلاحیت اور مراتب کے لحاظ سے اِس آیۂ شریفہ میں قرآن کی ہدایت، اہل تقوی کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن ہدایت کے فیض اور عطاو بخشش کے لحاظ سے یہ ہدایت، عام اور پوری بشریت کیلئے ہے۔ جیسا کہ ایک اور آیۂ شریفہ میں ارشاد فرماتا ہے:

" شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِی أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَ بَيِّنَاتٍ مِنْ الْهُدَى وَ الْفُرْقَانِ۔۔۔"(14)

یعنی: "رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو (پوری) انسانیت کیلئے ہدایت ہے اور ایسے دلائل پر مشتمل ہے جو ہدایت اور (حق و باطل کے درمیان واضح) فرق ڈالنے والے ہیں۔"

مذکورہ بالا بحث کا نتیجہ یہ کہ بارگاہ الٰہی سے تمام مخلوقات، بشمول انسان، سب کی ہدایت کا فیض، ایک دائمی فیض ہے اور ہدایت کے فیضِ دوام میں کسی قسم کے شک و شبہ کی قطعی کوئی گنجائش باقی نہیں ہے۔ ہر آن، ہر شئے اور ہر شخص کیلئے ہدایت الٰہی کے فیض پانے کا بندوبست موجود ہے۔ ہاں! کائنات کی دیگر اشیاء کے برعکس، انسان ہدایت الٰہی کے فیض کے اِس جاری و ساری سرچشمے سے فیض پانے یا نہ پانے میں خود صاحبِ اختیار و ارادہ ہے۔ للذا ہدایت کا یہ دائمی فیض کسی طور انسان کے "اختیار" کی نفی نہیں کرتا اور نہ ہی اِس سے "جبر" کا باطل عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔

کیونکہ عالم کائنات کی فاقدِ شعور اور اختیار و ارادہ سے عاری اشیاء کے برعکس، انسان کے اختیاری افعال میں اُس کی ہدایت تکوینی (جبری) نہیں، تشریعی (اختیاری) ہے۔ دوسرے الفاظ میں اگرچہ خداوند تعالی

کائنات کی ہر شئے کی مانند، بنی نوع انسان اور ہر انسان کے ہر فعل کا نگہبان ہے، لیکن خدا نے بنی نوع انسان کو اپنے ارادی افعال کی انجام دہی میں دور سے منزل مقصود کی رہنمائی عطا کر کے ہدایت کا راستہ طے کرنے یا نہ کرنے کے حوالے سے اُسے بااختیار بنا دیا ہے:

"إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيعًا بَصِيرًا إِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا۔۔۔" (15)

یعنی: "بے شک ہم نے انسان کو ایک مخلوط نطفے سے پیدا کیا کہ اسے آزمائیں، پس ہم نے اسے سننے والا، دیکھنے والا بنا دیا۔ ہم نے اسے راستے کی ہدایت کر دی؛ خواہ شکر گزار بنے اور خواہ ناشکرا بنے۔۔۔"

ان آیات سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ بنی نوع انسان بھی الٰہی ہدایت پانے کے دائمی قانون سے خارج نہیں ہے۔ وہ بھی خدا کی مخلوق ہے اور اس کی ہدایت کا بندوبست بھی خدا کرتا ہے؛ لیکن دیگر موجودات عالم سے اُس کا فرق یہ ہے کہ اسے سننے والا اور دیکھنے والا بنایا گیا ہے۔ اس کیلئے امتحان و آزمائش رکھی گئی ہے اور اسے شکر گزای اور ناشکری کا اختیار اور صلاحیت دی گئی ہے۔ اسے میدان دیا گیا ہے؛ چاہے تو ہدایت کے راستے سے منہ موڑ کر کفر اختیار کرے اور اپنی اس سرکشی کے نتیجہ میں زنجیروں میں جکڑا جائے اور بھڑکتی آگ کا مزہ چکھے اور چاہے تو ہدایت کا راستہ طے کرتے ہوئے نیکوکار بن کر بہشتی شراب کے جام پیے۔

پس انسان تخلیق اور ہدایت الٰہی کے کلی قانون کے اندر رہتے ہوئے، ایک بااختیار ہستی ہے۔ لہٰذا اُس کے اختیاری افعال کے بارے میں "اَلْخَيْرُ مِنَ اللّٰهِ وَ الشَّرُّ مِنَ اللّٰه" کا عقیدہ، قرآن کریم کی تعلیمات کے عمیق فہم سے محرومی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ نیز یہ بات عالم ہستی کی دیگر اشیاء کے بارے میں تو صادق ہے کہ "اللہ تعالی کے حکم و امر کے بغیر کوئی برگ نہیں ہلتا" لیکن اِس قاعدے کا اطلاق انسان کے اختیاری افعال پر کسی طور نہیں ہوتا۔

ہدایت کا واسطۂ فیض

خداوند تعالی کی مخلوق مجبور ہو یا مختار، سب ہر آن ہدایت کا فیض پا رہے ہیں؛ لیکن کسی کو یہ فیض، بغیر واسطۂ فیض کے نہیں مل رہا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہدایت کا دائمی فیض ثابت ہو جائے تو واسطۂ فیض کا دوام خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ اگر ہم معمولی سی توجہ دیں تو یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اگر دائمی طور پر پیاس بجھ رہی ہے تو پانی کا واسطہ بھی دائمی طور پر موجود ہے؛ اگر دائمی طور پر فصلیں اگ رہی ہیں تو خاک کا واسطہ بھی دائمی ہے؛ اگر دائمی طور پر پھل لگ رہے ہیں تو درخت کا واسطہ بھی دائمی طور پر موجود ہے اور اگر انسان دائمی طور پر اطاعت اور شکر گزاری کی راہیں طے کر رہا ہے تو راہ حق اور صراطِ مستقیم کی طرف اُس کی ہدایت کا دائمی واسطہ بھی موجود ہے۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ہدایتِ بشر کا یہ واسطہ کیا ہے؟ کون ہے؟ اُس کی پہچان کیا ہے؟ آیا عصرِ حاضر کے انسان کیلئے فیض کا یہ واسطہ ایک ہے یا متعدد واسطے موجود ہیں؟ وغیرہ۔۔۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کا جواب ڈھونڈنا، ہدایت کے طلبگار ہر انسان کا بنیادی فریضہ ہے۔ ان سوالات کے جواب میں کئی موٴقف، کئی فرضیے اور کئی نظریے قائم کیے جا سکتے ہیں۔ ذیل میں ہم ان سوالات کے جواب میں اپنائے جا سکنے والے ممکنہ موٴقف، فرضیات اور نظریات کا جائزہ لیں گے۔

ا۔ واسطۂ فیض کا انکار

مذکورہ بالا سوالات کے جواب میں ایک موٴقف یہ ہو سکتا ہے کہ ہم سرے سے کسی واسطۂ فیض کے لزوم اور اُس کی ضرورت ہی کے منکر ہو جائیں اور یہ موٴقف اپنا لیں کہ ہدایت بشر کیلئے خدا کی طرف سے کسی واسطۂ فیض کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ لیکن ظاہر سی بات ہے کہ ایسا دعوی کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر وہ بنی نوعِ انسان کی الٰہی ہدایت کے تمام واسطوں کا منکر ہو جائے، کم از کم قرآن کریم کے ہدایت الٰہی میں واسطۂ فیض ہونے کا انکار تو نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اس امر پر مسلمان امتّ کا اجماع اور اتفاق رائے ہے کہ قرآن کریم، ہر دور کے انسان کیلئے ہدایتِ الٰہی کا ایک اہم واسطہ ہے۔ پس خالصتا علمی نکتۂ نظر سے نہ یہ موٴقف اپنایا جا سکتا ہے اور نہ ہی مسلم امت کا عمل اِس موٴقف کی کوئی تائید کرتا ہے۔ ہر مسلمان کے گھر میں موجود قرآن کریم کے نسخے، ان کی تلاوت اور عملی زندگی میں قرآن کریم سے ہدایت کے حصول کی تگ

و دَو، نیز مسجد و مدرسہ اور شیخ و ملّا اور پیر و مرشد سے ہدایت کی طلب، یہ سب امور، واسطۂ فیض کی ضرورت کے انکار پر واضح خطِ بطلان کھینچتے ہیں۔

۲۔ واسطۂ فیض کا انحصار

واسطۂ فیض کے حوالے سے بنیادی سوالات کے جواب میں دوسرا موٴقف یہ ہو سکتا ہے کہ اگرچہ بنی نوعِ بشر کی ہدایت کیلئے واسطۂ فیض کی ضرورت ہے، لیکن ہدایت الٰہی کے فیض کا یہ واسطہ منحصر ہے۔ البتہ واسطۂ فیض کے انحصار کی آگے چل کر دو صورتیں ہو سکتی ہیں:

پہلی صورت

یہ کہا جائے کہ ہدایت کے فیض کا واسطہ، قرآن کریم ہیں منحصر ہے اور بس۔ انسانیت کی ہدایت کیلئے اللہ کی کتاب کافی ہے اور کتابُ اللہ کے علاوہ کوئی شئے یا شخص واسطۂ فیض نہیں ہو سکتا۔ یقینا یہ موٴقف اپنانا بھی عقل سلیم کے تقاضوں کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔ کیونکہ اس موٴقف پر کم از کم یہ اشکال وارد ہے کہ ایسا دعوی امت مسلمہ کی عملی سیرت کے سراسر خلاف ہے۔ تاریخِ اسلام میں آیا کوئی دور، ایک دن یا ایک لمحہ ایسا ہے جس میں تنہا قرآن کو ہدایتِ بشر کیلئے کافی قرار دیتے ہوئے مسلمانوں نے ہدایت کے دیگر تمام واسطوں کو پس پشت ڈالا ہو؟ یقینا نہیں۔ علاوہ ازایں، اگر یہ دعوی کیا جائے کہ بنی نوعِ بشر کی ہدایت کیلئے فقط اللہ کی کتاب کافی ہے تو یہ دعوی دو حالتوں سے خارج نہیں ہو سکتا:

۱۔ یا تو یہ دعوی غلط ہوگا۔ اور اگر یہ دعوی غلط ہو تو اس کا مدّمقابل دعوی یعنی یہ کہنا کہ ہدایت کا واسطہ فقط قرآن کریم میں منحصر نہیں ہے، خود بخود ثابت ہو جائے گا۔

۲۔ یا یہ دعوی صحیح ہوگا۔ اگر یہ دعوی صحیح ہو تب بھی اِس کی صحت سے اس کا بطلان لازم آتا ہے۔ یہ دعوی درحقیقت، ایک Self Contradictory (یعنی خود اپنی تکذیب کرنے والا بیان) ہے۔ کیونکہ کسی بھی شخص کی طرف سے یہ دعوی کہ بنی نوعِ انسان کی ہدایت کیلئے تنہا قرآن کافی ہے، خود اپنی جگہ ایک ایسی ہدایت ہے جو قرآن کریم سے نہیں لی گئی بلکہ اُس شخص کے واسطے اور دروازے سے لی جارہی ہے۔ گویا یوں یہ دعوی خود دلیل ہے اس امر کی کہ ہدایت کیلئے قرآن تنہا کافی نہیں ہے۔ اگر قرآن ہدایتِ

بشر کیلئے تنہا کافی ہوتا تو اسے اپنی کفایت ثابت کرنے کیلئے کسی شخص کی فرمائش سے تائید لینے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

پس اس دعوی کا بطلان اتنا واضح ہے کہ اس کے بطلان سے بھی اس کا بطلان ثابت ہوتا ہے اور اس کی صحت سے بھی اس کا بطلان ثابت ہوتا ہے۔ نیز قرآن کریم کی کئی آیات، ہدایت کے عمل میں قرآن کی ضرورت کے ساتھ، قرآن کے معلّم کی ضرورت پر بھی تاکید کرتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے:

"الٓرٰ كِتٰبٌ أَنزَلْنٰهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ۔" (16)

یعنی: "الر، (اے رسول! قرآن) ایک ایسی کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کو ان کے ربّ کے اذن سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لائیں؛ غالب آنے والے، ستائش کے لائق اللہ کے راستہ کی طرف۔"

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے:

"وَ مَا اٰتٰىكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا۔" (17)

یعنی: "رسول جو چیز تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روک دیں اس سے رک جاؤ۔"

ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی ہے:

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ يُزَكِّيهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ الْحِكْمَةَ وَ إِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ۔" (18)

یعنی: "(خدا) وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اُس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاکیزہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے؛ جب کہ اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں تھے۔"

ان آیات اور ان جیسی کئی دیگر آیات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ قرآن، انسانیت کی ہدایت کیلئے اُس وقت تک کافی نہیں ہے جب تک کہ قرآن کے ساتھ معلمِ قرآن نہ ہو۔ اور قرآن کریم کے سب سے پہلے اور سب سے برتر معلم، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ لہٰذا خود قرآن کمالِ

صراحت کے ساتھ یہ بیان کرتا ہے کہ اس کی تعلیمات کی روشنی میں لوگوں کو ضلالات و گمراہی کی تاریکیوں سے نکالنا، رسول اکرم (ص) کا کام ہے۔ نیز رسول اکرم (ص) کی تعلیم ہی سے قرآنی ہدایت کی تکمیل و تشریح ہوتی ہے؛ لہٰذا ارشاد فرماتا ہے: ''رسول جو تمہیں دے دیں وہ لے لو اور جس چیز سے روک دیں، اُس سے رُک جاؤ۔'' پس ہدایت کے فیض کا واسطہ فقط قرآن کریم میں منحصر نہیں ہے اور قرآن میں واسطۂ فیض کے انحصار کا موٴقف بھی اتنا ہی باطل اور خلاف حقیقت ہے جتنا واسطۂ فیض کا انکار باطل اور خلافِ حقیقت موٴقف ہے۔

دوسری صورت

واسطۂ فیض کے انحصار کی دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ کہا جائے کہ ہدایتِ الٰہی کے فیض کا واسطہ قرآن کریم اور نبی اکرم (ص) کی تعلیم میں منحصر ہے اور ہدایتِ بشر کیلئے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی تعلیم (سنّت) کافی ہیں۔ لیکن واسطۂ فیض کے انحصار کی یہ دوسری صورت بھی اتنی ہی نادرست ہے جتنی اس کی پہلی صورت نادرست تھی۔

اس موٴقف کی نادرستی پر بھی سب سے پہلی دلیل تو امتِ مسلمہ کا عملی اجماع ہے۔ اِس امت کے سب فرقوں کے دینی رہنماؤں نے قرآن و سنت کو ہدایت بشر کیلئے کافی نہیں سمجھا اور سب نے اس فیض کو امت کے افراد تک پہنچانے میں خود واسطہ بن کر اپنا اپنا حصہ ڈالا ہے۔ کسی نے محدّث بن کر، کسی نے مفسّر بن کر، کسی نے فقیہ بن کر اور کسی نے متکلم بن کر۔ کوئی عالم دین قرآن و سنت کو ہدایتِ بشر کیلئے کافی نہیں سمجھتا بلکہ ہر عالم دین اور عالم نما، قرآن اور عام انسانوں کے درمیان واسطۂ فیض بن کر قرآن سے اپنے فہم کو تفسیر کے نام پر پیش کرتا ہے اور سنّت اور عام انسانوں کے درمیان خود ہدایت کا واسطۂ فیض بن کر فقیہ و امام بن کر فقہ و احکام اور اخلاق و سیاست کی تدوین کرتا ہے۔ کہیں ''خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں' اور کہیں ''خود بدلتے نہیں، نبی اکرم (ص) کے فرماں کو بدل دیتے ہیں۔''

اگر ہدایتِ بشر کیلئے تنہا قرآن اور سنّت نبوی کافی ہے تو فقہ و تفسیر اور کلام و عقائد کی تمام کتابیں دریا برد کرنا پڑیں گی؛ کیونکہ یہ سب واسطے ہیں۔ نیز تمام ائمہ تفسیر اور فقہ کی چھٹی کرانا پڑے گی، کیونکہ اِن سب نے ہر قسم کی خطا اور لغزش اور تحریف سے پاک قرآن کریم سے اپنے غیر معصوم فہم کو لوگوں کیلئے حجت و

دلیل بنا کر پیش کیا ہے اور پیغمبر اکرم (ص) کی قطعی سنت میں بھی من پسند تبدیلیاں، تحریفات، جعل اور جرح و تعدیل کے اپنے اپنے پیمانے وضع کر کے سنتِ نبوی سے اپنے ناقص فہم کو فقہ اور احکام بنا کر لوگوں کیلئے حجت اور دلیل اور ہدایتِ الٰہی کے طور پر پیش کیا ہے۔

اگر دعوی یہ ہے کہ اللہ تعالی کی کتاب اور رسول اللہ (ص) کی سنت کافی ہے تو ان سب واسطوں کو درمیان سے نکال دو اور اللہ کی مخلوق اور اللہ کی کتاب اور رسول اللہ (ص) کی سنت کے درمیان واسطہ نہ بنو۔ ہاں! اگر یہ نہیں ہو سکتا تو پھر مان لو کہ ہدایتِ بشر کیلئے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت تنہا کافی نہیں ہیں بلکہ ان کے ہمراہ کچھ دیگر واسطوں کی بھی ضرورت ہے جو ہدایت الٰہی کی ہمیشہ جاری چشمے سے رُلالِ ہدایت کے پاک و پاکیزہ ساغر اور جام بھر کر تشنۂ ہدایت انسانیت کو سیراب کر سکیں۔ یقینا یہی موٴقف درست ہے۔ اور اس موٴقف پر امت مسلمہ کے عملی اجماع کے علاوہ بھی کئی دلائل و براہین موجود ہیں۔

پس مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ کہ بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے اللہ تعالی نے جہاں ہدایت کا فیض، عام اور دائمی رکھا ہے، وہاں ہدایت کے فیض کے واسطوں کا بھی دائمی بندوبست کر دیا ہے۔ اگرچہ نبی اکرم (ص) کی رحلت پر نبوّت کا دروازہ بند ہوا اور ہدایت الٰہی کا یہ واسطہ منقطع ہوا، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ پوری انسانیت ہدایت کے فیض سے فیضیاب ہو چکی اور اب کسی الٰہی ہادیِ برحق کی ضرورت نہیں رہی۔ اور نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ ہدایت بشر کیلئے آسمانی کتابوں کے نزول کا سلسلہ رک جانے اور نبوت کے خاتمے کے بعد ہدایتِ بشر کیلئے اب کسی انسانِ کامل کی رہنمائی کی ضرورت بھی باقی نہیں رہی۔

لیکن یہاں ایک اہم پیچیدگی یہ درپیش ہے کہ کتابُ اللہ اور رسولُ اللہ کی سنت کے بعد گویا پانی گدلا ہو جاتا ہے اور یہ طے کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ کتابُ اللہ اور رسولُ اللہ کے بعد ہدایت الٰہی کا یہ فیضِ عام، کن واسطوں سے گذر کر بنی نوعِ انسان تک پہنچنا چاہیے۔ یہاں کئی انتہائی اہم سوالات جنم لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ سوال کہ عصر نبوت کے بعد کے انسان کیلئے ہدایت الٰہی کا سلسلہ کس شکل و صورت میں جاری ہے اور ہدایت کا دائمی فیض، کن سرچشموں سے میسر ہے؟ یا یہ سوال کہ نبی اکرم (ص) کے بعد ہدایتِ الٰہی میں واسطۂ فیض کون ہے؟ آیا جسے ارباب حل و عقد منتخب کر لیں؟ آیا مسندِ رسول (ص) پر بیٹھنے والے جسے معین

کر دیں؟ آیا جس کا انتخاب کسی شوریٰ کے ذریعے کر لیا جائے؟ آیا جس کے ہاتھ پر عام مسلمان بیعت کر لیں؟ آیا جو کسی خاص قبیلے سے تعلق رکھتا ہو؟ آیا جو کسی سلطان کا بیٹا ہو؟ آیا وہ جس نے صرف و نحو اور ناظرہ و تجوید، نیز فقہ و حدیث کا دورہ کر لیا ہو؟ آیا مفسّر یا محدّث، متکلم یا فلسفی؟ مؤرخ یا مجتہد؟ خلاصہ یہ کہ ہدایت الٰہی کے فیض میں واسطۂ فیض بننے کا کوئی معیار ہے یا نہیں؟ اور اگر ہے تو وہ معیار کیا ہے؟

یہاں جب تک کوئی واضح معیار اخذ نہ کر لیا جائے، اس واسطۂ فیض کو تلاش نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ہم مجبور ہیں یہاں کوئی قابل قبول معیار قائم کریں اور پھر یہ دیکھیں کہ اُس معیار پر کون پورا اترتا ہے؟ واضح سی بات ہے کہ جو بھی اُس معیار پر پورا اترے گا، اسے ہدایت الٰہی میں واسطۂ فیض کے طور پر مان لیا جائے گا اور جو بھی اس معیار پر پورا نہیں اترے گا، اسے ہدایتِ الٰہی کے واسطوں کی فہرست سے نکال باہر کرنا ہو گا۔

ہدایت کے واسطۂ فیض کا معیار

یہاں ہمیں سب سے پہلے یہ دیکھنا ہو گا کہ خداوند عالم نے آسمانی ہدایت کے عمل میں کن اشیاء اور کن اشخاص کو ہدایت کے فیض کا واسطہ قرار دیا ہے اور اس حوالے سے الٰہی سنت کیا ہے؟ اس سوال کا جواب قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں بڑی آسانی سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔ ہاں! اس جواب تک پہنچنے کی تنہا شرط یہ ہے کہ انسان اپنے بشری فہم کو خالص رکھے، اُس پر بھروسہ کرے، اُس میں گمراہ کن تأویلات کو نہ گھسنے دے اور نہ ہی اُس میں کسی کھوٹ کو شامل ہونے دے۔ اگر اُس نے خالصانہ تگ و دَو کی تو وہ اس نتیجے پر پہنچے گا کہ ہدایت الٰہی کے فیض کا واسطہ، تنہا وہی شخص یا شئے ہو سکتی ہے جس میں دو خصوصیات پائی جاتی ہوں:

۱) الٰہی انتخاب

ہدایت الٰہی کے فیض کا واسطہ، تنہا وہی شخص یا شئے ہو سکتی ہے جسے ہدایت کے واسطہ کے طور پر خود خدائے بزرگ و برتر نے انتخاب فرمایا ہو۔ اس حوالے سے قرآن کریم کی آیات اتنی صریح ہیں کہ ان میں کوئی ابہام باقی نہیں رہ جاتا۔ قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ ہدایت الٰہی کا سب سے پہلا واسطہ، آسمانی کُتب اور انبیائے الٰہی ہیں۔ جہاں تک آسمانی کتب کا تعلق ہے تو اُن میں

سے کوئی کتاب بھی بشری تألیف نہیں ہے، بلکہ یہ سب کتابیں خود خداوند تعالی نے نازل فرمائی ہوئی ہیں۔ (البتہ یہ ان کتب کی بات ہے جو ہر قسم کی تحریف سے پاک ہیں یا تھیں) آسمانی کتب کے مضامین اور الفاظ کے چناؤ اور اِن کتب کی بنی نوعِ بشر کی طرف ترسیل کے عمل کو قرآن کریم نے فقط خدا کی طرف نسبت دی ہے اور اس عمل میں خدا کے علاوہ کسی کی شراکت کا قائل نہیں ہے۔

قرآن کریم کی کم از کم پانچ آیات میں آسمانی کتب کے متون کے مضامین اور الفاظ کے چناؤ اور اِن کتب کی بنی نوعِ بشر کی طرف ترسیل کے عمل کو قرآن کریم نے "نَزَّلَ" یا "نزّلنا" جیسے کلمات سے تعبیر کیا ہے (19) اور "نَزَّلَ" کا فاعل فقط خدا کو قرار دیا ہے۔ اسی طرح لگ بھگ دس آیات میں ہدایت بشر کے نصاب کی تعیین اور ترسیل کے عمل کو "أَنْزَلَ" کلمے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (20)

اِن آیات میں بھی "أَنْزَلَ" کا فاعل فقط خدا ہے۔ نیز کم از کم آٹھ آیات میں اس عمل کو "أَنزَلْنَا" کے کلمہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (21)

ان سب آیات میں متکلم وحدہ خود خداوند تعالی کی ذات ہے۔ اس عمل کو کم و بیش ۱۹ آیات میں "آتَيْنَا"، "اٰتَينٰهما"، "اٰتٰنِیَ" یا "آتَيْنَاهُمُ" کے کلمے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (22)

اور یہاں بھی اس کام کا فاعل تنہا خدا ہے۔ اس کے علاوہ لگ بھگ ۱۱ آیات میں ہدایتِ بشر کے نصاب کی تدوین اور ترسیل کے اس عمل کو "تنزیل"؛ "مُنَزَّلٌ"، "أوحینا"، "أورثنا"، "جعلناه"، "یسّرنا" اور "مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ" کی تعبیرات کے ذریعے بیان فرما کر (23)

اس امر کو ناقابلِ تردید بنا دیا گیا ہے کہ ہدایت بشر کے عمل میں تنہا وہی آسمانی کتابیں ذریعہ اور وسیلہ بن سکتی ہیں جنہیں خود خداوند تعالی نے ہدایتِ بشر کا وسیلہ اور واسطہ قرار دیا ہے۔ مزید برایں، بعض دیگر آیات میں بھی اس امر پر مزید تاکید کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر درج ذیل آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

"هُوَ الَّذِی أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ" (24)

یعنی: "خدا ہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل کی۔"

اس آیۂ شریفہ میں کتاب کے نازل کرنے والے کو فقط خدا کی ذات میں منحصر کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح بعض آیات میں تو یہ کام انسانوں اور جنات کی طاقت سے بھی باہر قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

"قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰی أَنْ یَأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرآنِ لَایَأْتُونَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا (25)

یعنی: (اے رسول!) کہہ دیجئے اگر انسان اور جن سب مل کر اس قرآن کی مانند لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے؛ خواہ وہ اس کام میں ایک دوسرے کا ہاتھ بھی کیوں نہ بٹائیں۔"

اس آیت سے نہ فقط قرآن کی معجزانہ حیثیت ثابت ہوتی ہے، بلکہ اِس سے یہ مطلب بھی قابلِ استفادہ ہے کہ ہدایت بشر کا کوئی نصاب آمادہ کرنا، جن و انس کے بس کا روگ ہے ہی نہیں۔ بلکہ عام انسان تو کجا یہ کام انبیاء کے بس کا روگ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ بعض آیات میں اس شائبہ کی بھی بڑی سختی سے نفی کر دی گئی ہے کہ ہدایت بشر کے متن کی آمادہ سازی میں نبی اکرم (ص) کو بھی ذرہ برابر عمل دخل حاصل نہیں ہے؛ بلکہ اگر بفرض محال، اشرف الانبیاء نبی بھی ایسا کرنے کا سوچ لیں اور اپنے بعض فرمودات کو ہدایتِ بشر کے الٰہی متن میں گھسیٹرنا چاہیں تو اُن کی شہ رگِ حیات کاٹ دی جائے:

"تَنْزِیلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِینَ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَیْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِیلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْیَمِینِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِینَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِینَ (26)

یعنی: یہ (کلام) عالمین کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ ہے؛ اور اگر اس (نبی) نے کوئی بات بھی گھڑ کر ہماری طرف منسوب کی ہوتی تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے؛ پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ پھر تم میں کوئی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہو۔"

پس قرآن کریم کی اُن پچاس، پچپن آیات کی روشنی میں جن کی طرف اوپر اشارہ ہوا، بنی نوع انسان کی ہدایت کے پہلے واسطۂ فیض، یعنی دینی تعلیمات، کورس اور متن کی تعیین، فقط اور فقط خدا کا کام ہے۔ اور اِس حقیقت پر نہ فقط اوپر بیان شدہ آیات، بلکہ وہ آیات بھی دلالت کرتی ہیں جن میں ہدایت بشر کیلئے الٰہی تعلیمات کو "شریعت" کی حیثیت سے پیش کرنے کی بات ہوئی ہے۔ لہٰذا قرآن کریم میں یہ تصریح موجود ہے کہ شریعت اور انسانیت کیلئے زندگی کا سفر طے کرنے کا راستہ، خدا نے معین کرنا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے:

"۔۔۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۔۔۔" (27)

یعنی: ''ہم نے تم میں سے ہر ایک (امت) کیلئے ایک دستور بنایا ہے۔۔۔''

اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ خداوند تعالی نے ہر امت کیلئے ایک دستور بنایا ہے جسے ''شرعہ'' یا ''شریعت'' کا نام دیا گیا ہے اور دستور سازی کے معاملے میں کوئی خدا کا شریک نہیں ہو سکتا:

'' شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَ مُوسَى وَ عِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ۔۔۔'' (28)

یعنی: ''اس نے تمہارے لیے دین کا وہی دستور معین کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی ہم نے آپ کو وحی کی اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔۔۔''

نیز ایک اور مقام پر اس امر پر تنبیہ کی گئی ہے کہ خدا کے اذن و اجازت کے بغیر کسی کو کوئی شریعت گھڑنے کا حق حاصل نہیں ہے:

''أَمْ لَهُمْ شُرَكَاؤُا شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللهُ۔۔۔'' (29)

یعنی: ''کیا اُن کے پاس ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے دین کا ایسا دستور فراہم کیا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی؟''

لہٰذا دین و شریعت، انبیاء کا گھڑا ہوا نہیں ہے، بلکہ یہ تو ہدایتِ بشر کا الٰہی سامان ہے جس کا بندوبست خود خدا فرماتا ہے:

'' ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَى شَرِيعَةٍ مِنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَ لَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ''

یعنی: ''پھر ہم نے آپ کو امر کی ایک خاص شریعت پر قائم کیا، لہٰذا آپ اسی پر چلتے رہیں اور نادانوں کی خواہشات کے پیچھے نہ چلیں۔'' (30)

'' وَ وَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَ يَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ(31)

* یعنی: ” اور ابراہیم نے اپنی اولاد کو اسی ملت (دین) پر چلنے کی وصیت کی اور یعقوب نے بھی (اپنی اولاد کو یہی وصیت کی) کہ اے میرے بیٹو! اللہ نے تمہارے لیے یہی دین پسند کیا ہے؛ لہٰذا تم تادم مرگ اسی دین کے سامنے سر تسلیم خم رکھنا۔“

پس ان آیات کی روشنی میں اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ بنی نوع انسان کی ہدایت کا کوئی متن، خدا کے سوا کوئی معین نہیں کر سکتا۔ جب ہدایت کا فیض خدا کی طرف سے ہے تو اس فیض کا واسطہ بھی خدا کا معین کردہ ہوگا۔ اور نہ فقط ہدایت بشر کا متن معین کرنا خدا کے علاوہ کسی کا کام نہیں ہے بلکہ انسانیت کی ہدایت کے دوسرے واسطۂ فیض، یعنی انبیاء و رُسل کی تعیین بھی فقط اور فقط خدائے بزرگ و برتر کا کام ہے۔ قطعاً خدا کے علاوہ کسی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے اور نہ کسی میں یہ لیاقت اور شائستگی پائی جاتی ہے کہ ہادیانِ برحق کی تشخیص دے سکے یا انہیں معین کر سکے۔ اس حوالے سے بھی قرآن کریم کی آیات میں اس قدر صراحت پائی جاتی ہے کہ کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔

حقیقت یہ ہے کہ خداوند تعالی نے انسانیت کی ہدایت اور انہیں آسمانی کتب کی تعلیم دینے کیلئے پانچ بڑے منصب قرار دیے ہیں اور اِن مناصب میں سے کسی منصب پر بھی شائستہ فرد کی تعیین کا حق فقط اور فقط خداوند تعالی کے پاس محفوظ ہے اور کسی جن و انس کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ آسمانی تعلیمات کے معلم کا از خود انتخاب کریں۔ قرآن کریم کی کم و بیش تیرہ آیات کی روشنی میں یہ پانچ بڑے منصب عبارت ہیں خلافت، رسالت، نبوت، امامت اور وزارت یا نیابت سے۔ لہٰذا جہاں تک خلافت کا تعلق ہے تو اس حوالے سے ارشاد باری تعالی ہے:

”وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً“ (32)

یعنی: ”اس وقت کو یاد رکھیے جب تمہارے پروردگار نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ معیّن کر رہا ہوں۔“

یا ایک اور آیۂ شریفہ میں ارشاد باری تعالی ہے:

”يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ“ (33)

یعنی: " اے داؤد! بے شک ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ معیّن کیا ہے۔"

جہاں تک رسالت کے منصب کا تعلق ہے تو اس حوالے سے بھی قرآن کریم کی آیات بڑی صریح ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم منکرین قرآن کے اس زعم باطل پر خطِ بطلان کھینچتا ہے کہ وہ بھی رسولوں کے ہم منصب ہو سکتے ہیں اور جو مقامات اور وحی والہامات رسولوں کو عطا کیے گئے ہیں، انہیں بھی عطا ہو سکتے ہیں:

" وَ إِذَا جَائَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّى نُؤْتَى مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللهِ اللهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ۔۔۔" (34)

یعنی: " اور جب کوئی آیت ان کے پاس آتی ہے تو کہتے ہیں: ہم ہر گز اس وقت تک نہیں مانیں گے جب تک ہمیں بھی وہ چیز نہ دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے؛ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کسے رسالت کے منصب پر فائز کرے۔۔۔"

اس آیۂ شریفہ میں بنی نوع بشر کے نہ فقط اس گمان کو ردّ کیا گیا ہے کہ ہر انسان کو وہ کچھ عطا کیا جا سکتا ہے جو انبیاء کو عطا کیا جاتا ہے بلکہ ساتھ یہ وضاحت بھی کر دی گئی ہے کہ انبیاء کے مقامات پانا تو درکنار، انبیاء کی تعیین بھی انسان کے دائرہ کار سے باہر ہے۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کی ترجمانی اُس الہام الٰہی کے بیان میں بھی کر دی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو ہوا:

"إِنَّا رَآدُّوهُ إِلَيْكِ وَ جَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ" (35)

یعنی: " (اے موسیٰ کی ماں!) ہم موسیٰ کو آپ کی طرف لوٹا دیں گے اور انہیں رسولوں میں سے ایک رسول معین کریں گے۔"

نیز خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب رسالت کا منصب ملا تو یہاں آپ سے ان الفاظ میں خطاب ہوا:

"وَ أَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحَى" (36)

یعنی: " (اے موسیٰ!) میں نے (رسالت کے منصب کیلئے) تیرا انتخاب کیا ہے، لہٰذا جو وحی کی جا رہی ہے اُسے (غور سے) سنو۔"

جہاں تک نبوت کے منصب کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں بھی قرآنی تعلیمات بڑی واضح ہیں۔ چنانچہ اس حوالے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ارشاد الٰہی ہے:

"قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا" (37)

یعنی: "عیسیٰ نے کہا: یقیناً میں خدا کا بندہ ہوں؛ خدا نے مجھے کتاب دی ہے اور اُسی نے مجھے نبی بنایا ہے۔"

بعض دیگر آیات میں دیگر انبیاء کے حوالے سے یہی کلیہ قاعدہ سامنے آتا ہے کہ نبوت کے منصب پر کسی کا انتخاب، فقط خدائے ذوالجلال کا کام ہے۔ اس حوالے سے ارشاد فرماتا ہے:

"فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ وَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا۔" (38)

یعنی: "پھر جب ابراہیم (ع) نے انہیں اور ان بتوں سے کنارہ کشی کر لی جنہیں اوہ اللہ کو چھوڑ کر پوجا کرتے تھے تو ہم نے انہیں اسحاق اور یعقوب عطا کیے اور ہم نے سب کو نبی بنایا۔"

جہاں تک امامت کے عہدے کا تعلق ہے تو اس حوالے سے بھی قرآن کریم کی منطق یہی ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ارشاد فرماتا ہے:

"وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمٰتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِينَ۔" (39)

یعنی: "اور (وہ وقت یاد رکھو) جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند کلمات سے آزمایا اور انہوں نے انہیں پورا کرکے دکھایا۔ ارشاد ہوا: میں تمہیں لوگوں کا امام بنانے والا ہوں۔ انہوں نے کہا: اور میری اولاد سے بھی؟ ارشاد ہوا: میرا عہد ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔"

اس حوالے سے ذیل کی دو آیات بھی ملاحظہ فرمایئے:

"وَجَعَلْنٰهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا" (40)

یعنی: "اور ہم نے اِن (انبیاء) کو امام بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق رہنمائی کرتے تھے۔"

"وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا" (41)

یعنی: "اور ہم نے ان (انبیاء) میں سے کچھ کو امام بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق رہنمائی کرتے تھے۔"

باقی رہا وزارت اور نیابت کا معاملہ، تو اس حوالے سے بھی قرآن کریم کا موٴقف بڑا واضح ہے۔ یہ منصب بھی فقط خدا کے ہاتھوں میں ہے اور اس منصب کیلئے کسی کا تقرر بھی فقط خدا کا کام ہے۔ چنانچہ جب حضرت موسی (ع) کو حکم ہوا کہ فرعون کے پاس جاؤ اور اسے حق کی دعوت دو تو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

"قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي۔۔۔ وَ اجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي۔۔۔ قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَامُوسَى" (42)

یعنی: "فرعون کے پاس جاؤ کہ وہ طغیان گر بن چکا ہے۔ عرض کی: بارالہا! میرا سینہ کھول دے۔۔۔ اور میرے خاندان سے میرا وزیر بنا، میرے بھائی ہارون کو۔۔۔ ارشاد ہوا: اے موسیٰ تیری حاجت روا کر دی گئی ہے۔"

یہاں حضرت موسیٰ (ع) اپنے وزیر کی تعیین کا تقاضا خداوند تعالی سے کر رہے ہیں۔ اور یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کا وزیر بنانا، خدا کا کام ہے اور جب تک تائید الٰہی نہ آجائے حضرت موسیٰ بھی حضرت ہارون کو اپنا وزیر قرار نہیں دے سکتے۔ حتی کہ نبی اکرم (ص) کو بھی رسالت کی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے میں ایک مددگار کی طلب کا تقاضا کرنے کی تعلیم دی گئی:

"قُلْ رَبِّ۔۔۔ وَاجْعَلْ لِي مِن لَّدُنْكَ سُلْطَاناً نَصِيراً۔ (43)

یعنی: "کہہ دیجئے! اے پالنے والے۔۔۔ اور میرے لیے اپنے ہاں سے ایک قوّت (حجت و برہان) عطا فرما جو میرا مددگار ثابت ہو۔"

ایک اور آیۂ شریفہ میں آدم و نوح اور آل ابراہیم و آل عمران، سب کے انتخاب کو خود خداوند تعالی کے اختیار میں دیا گیا ہے:

"إِنَّ اللهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَ آلَ إِبْرَاهِيمَ وَ آلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ۔" (44)

یعنی: "بے شک اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کا تمام عالمین پر انتخاب فرمایا ہے۔"

ایک اور مقام پر ہادیان برحق کے انتخاب کے حوالے سے ارشاد فرماتا ہے:

"وَ رَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَيَخْتَارُ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ سُبْحَانَ اللهِ وَ تَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ۔" (45)

یعنی: ''اور تیرا پروردگار جو چاہتا ہے خلق کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے انتخاب کرتا ہے؛ انہیں انتخاب کا کوئی حق حاصل نہیں ہے؛ اللہ پاک ہے اور بلند و برتر ہے اُس شرک سے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔''

اس آیت میں بھی مشرکین کی طرف سے بتوں کو وسیلہ اور واسطہ قرار دیے جانے کی مذمت اور ایک کلی قانون پیش کیا جارہا ہے کہ تشریع و قانون سازی اور خدا کے لطف اور فیض کا کوئی واسطہ لوگ اپنی طرف سے نہیں تراش سکتے؛ بلکہ تخلیق اور انتخاب، یہ دونوں خدا کے کام ہیں۔ بنابرایں، قرآن کریم کی کم و بیش ۱۳۰ آیات ''انّی جاعل'' (میں بنارہا ہوں)، ''انّا جعلناک'' (بے شک ہم نے تمہیں بنایا ہے)، ''جعلنی'' (خدا نے مجھے بنایا ہے) اور ''جاعلک'' (میں تمہیں بنارہا ہوں) ''اِنّا اخترتُک'' (تحقیق میں نے ہی تیرا انتخاب کیا ہے) جیسی مکرر تصریحات اس امر پر تاکید کررہی ہیں کہ ہدایت الٰہی کے فیض کے واسطہ یعنی انبیاء و رسل، اُن کے نائبین، جانشین اور وزیر، خلاصہ ہادیان برحق کی تعیین، فقط اور فقط خدائے ذوالجلال کا کام ہے۔ اور نبوت ہو یا رسالت، جانشینی ہو یا امامت، یہ سب منصب، خدا کا انتخاب ہیں، نہ کسی کے ''سماجی نبوغ'' کا مظہر اور نہ ہی کسی نابغۂ روزگار کے دل و دماغ سے ترشح پانے والے خود ساختہ افکار و نظریات کے طفیل ملنے والے سوشل کیئریر۔ نیز دین بھی ہدایت بشر کیلئے خدا کا معین کردہ نصاب ہے، نہ کسی سیاست دان یا مصلح و مجدّد کا معاشرتی اصلاحات کا ایجنڈا۔

پس ہدایت الٰہی کے فیض کا واسطہ، وہی اشیاء اور اشخاص بن سکتے ہیں جنہیں خود خدا نے واسطہ قرار دیا ہو۔ لہٰذا چند اہل حل و عقد کا انتخاب شدہ کوئی شخص، کسی فرد واحد کی طرف سے معین کردہ شخص، کسی شوریٰ کی طرف سے چن لیا گیا کوئی فرد اور مختلف حیلوں بہانوں سے بیعت لے لینے والا کوئی فرد، سب فضائل کا مالک تو ہو سکتا ہے لیکن قطعاً ہدایت الٰہی کے فیضِ دائم میں واسطۂ فیض قرار نہیں پا سکتا اور نہ ہی اُس کے دروازے سے گمراہوں کو کوئی ہدایت و رہنمائی مل سکتی ہے۔

۲) عصمت

ہدایت الٰہی کے فیض کے واسطہ کی تشخیص کا دوسرا معیار یا دوسری بڑی خصوصیت جو قرآن کریم کی آیات کی روشنی میں سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ جس واسطے سے ہدایت کا فیض پہنچتا ہے وہ واسطہ ہر قسم کی آلودگی اور

خطا و لغزش سے پاک ہونا چاہیے تاکہ ہدایت الٰہی کا پاک و پاکیزہ فیض، اپنی خالص حالت میں بنی نوعِ بشر تک پہنچ سکے اور کسی واسطے کی آلودگی، خطا یا لغزش، فیضِ ہدایت کو آلودہ نہ کر دے۔ واسطۂ فیض کی اس خصوصیت کا نام اصطلاحاً "عصمت" ہے۔ لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ خداوند تعالیٰ نے اپنی دائمی ہدایت کیلئے جن واسطوں کا انتخاب فرمایا ہے وہ ہدایت کے عمل میں خطا و لغزش کا شکار ہو جائیں۔ کیونکہ اگر واسطۂ فیض میں خطا و لغزش کا امکان بھی پایا جاتا ہو تو ہدایتِ الٰہی کا سارا سلسلہ نا قابل اعتماد اور بے فائدہ ہو جائے گا اور یہ امر، ہدایت الٰہی کے کلی قاعدہ کے خلاف ہے۔

ہدایت الٰہی کے حوالے سے کلی قاعدہ یہی ہے کہ اس میں خطا و لغزش کا امکان تک نہیں ہے۔ نہ خدا کی تکوینی ہدایت میں کوئی خطا و لغزش ہے اور نہ ہی اس کی تشریعی ہدایت میں کوئی سہو و خطا ہے۔ اگر ہم عالم کائنات میں خدا کی تکوینی ہدایت پر ایک نظر دوڑائیں تو بڑی آسانی سے اس حقیقت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ عالم کائنات میں ہم نے کبھی اس غلطی یا سہو و عصیان کا مشاہدہ نہیں کیا کہ کھجور کی گٹھلی سے آم کا درخت اگ آئے اور شیشم کا درخت بیری کا پھل دینے لگے۔ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ گندم بونے پر گنے کی فصل اُگے اور گنا کاشت کرنے پر جَو کی فصل کھڑی ہو جائے۔ خدا کی تکوینی ہدایت میں کہیں کوئی غلطی نہیں ہے؛ لہٰذا نہ سورج، چاند کے مدار میں داخل ہو سکتا ہے، نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے:

"لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ وَلَا الَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ۔" (46)

یعنی: "نہ سورج کیلئے مناسب ہے کہ وہ چاند کو پکڑ لے اور نہ ہی رات دن پر سبقت لے سکتی ہے۔ سب اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔"

"۔۔۔ مَا تَرَى فِي خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَى مِنْ فُطُورٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ۔"

یعنی: "۔۔۔ تم رحمٰن کی تخلیق میں کوئی بد نظمی نہیں دیکھو گے؛ ذرا پھر پلٹ کر دیکھو! کیا تم کہیں کوئی خلل پاتے ہو؟ پھر پلٹ کر دوبارہ دیکھو! تمہاری نگاہ ناکام ہو کر تھک کر تمہاری طرف لوٹ آئے گی۔ (لیکن تمہیں کہیں کوئی بگاڑ نظر نہیں آئے گا)" (47)

خداوند عالم، عالمِ تکوین میں ہر شئے کی ایسی ہدایت کر رہا ہے جس میں کوئی خطا اور لغزش نہیں ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ عالم ہستی اسی ہدایت الٰہی کے طفیل ہر قسم کے فساد اور تباہی سے محفوظ ہے اور اس میں کہیں کوئی بگاڑ نہیں ہے۔ کائنات کا ہر ذرہ اور ہر پرزہ، عین اپنی راہ پر لگا ہوا ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہدایت الٰہی کی جوئے رواں ہر قسم کی آلودگی سے پاک بہتی چلی آرہی ہے اور کائنات کے ہر ذرے کو سیراب کر رہی ہے۔

اگر کائنات کی ہر شئے کیلئے ہدایت الٰہی کا یہ ساماں اتنا پاک و پاکیزہ اور ہر قسم کی خطا و لغزش اور غفلت و نسیان سے محفوظ ہے تو یہ کیسے ہو سکتا کہ ہدایتِ الٰہی کا یہ فیضِ رُلال جب عالم انسانیت کو سیراب کرنے لگے تو آلودہ ہو جائے؟ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ انسان کی ہدایت بھی تکوینی ہے؛ یہ الگ بات ہے کہ صرف انسانی اختیار کے عنصر کے آجانے کے سبب اسی تکوینی ہدایت کا نام "تشریع" پڑ جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک دریا کے پانی کو جب اس سے نکالی جانے والی کسی نہر، نالے میں ڈال دیا جائے تو اس کا نام بدل جاتا ہے اور یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ دریا بہہ رہا ہے بلکہ یہ کہا جانے لگتا ہے کہ ندی، نالا بہہ رہا ہے۔ حالانکہ اب بھی پانی، اسی دریا کا پانی ہوتا ہے۔ اگر دریا پاک و پاکیزہ ہے، تو یہ ندی نالا بھی پاک و پاکیزہ ہو گا۔ لہٰذا تشریعی ہدایت بھی در حقیقت، تکوینی ہدایت ہی ہے اور جس طرح تکوین میں خطا و لغزش محال ہے، تشریع میں بھی خطا و لغزش محال ہے۔ جس طرح عالم تکوین میں کوئی بگاڑ اور شگاف نہیں ہے، اسی طرح عالم تشریع میں بھی کوئی بگاڑ اور شگاف نہیں ہونا چاہیے۔

اس حوالے سے تفسیر المیزان میں علامہ طباطبائی کا یہ فرمان انتہائی قابل غور ہے جہاں آپ لکھتے ہیں:

"فان السبب الذی اوجب وجود الانسان فی الخارج وجودا حقیقیا کسائر الانواع الخارجیة هو الذی یهدیه هدایة تکوینیة خارجیة الی سعادته؛ و من المعلوم ان الامور الخارجیة من حیث انها خارجیة لاتعرضها الخطاء و الغلط، اعنی الوجود الخارجی لا یوجد فیه ۔۔۔ و اذا فرض ان الذی یهدی هذا النوع الی سعادته و رفع اختلافه العارض علی اجتماعه هو الایجاد و التکوین، لزم ان لایعرضه غلط و لا خطأ فی هدایته و لا فی وسیلة هدایته التی هی روح النبوة و شعور الوحی۔۔۔" (48)

یعنی: " جس سبب نے عالم خارج میں انسان کے وجود کو دیگر خارجی انواع کے وجود کی مانند، ایک حقیقی وجود قرار دیا ہے، وہی سبب انسان کو اُس کی سعادت کی تکوینی اور خارجی ہدایت عطا کرتا ہے۔ اور یہ بات سب پر عیاں ہے کہ خارجی امور سے اُن کے خارجی ہونے کے لحاظ سے کوئی خطا اور غلطی سرزد نہیں ہوتی۔ میری مراد یہ ہے کہ عالم کائنات کی اشیاء میں کوئی غلطی اور خطا نہیں پائی جاتی؛ کیونکہ جو کچھ عالم کائنات میں ہے، وہ بالکل وہی ہے جو ہے۔۔۔ اور جب فرض یہ ہے کہ نوع انسانی کی سعادت کی طرف ہدایت اور انسانی معاشرہ میں پیدا ہونے والے اختلافات کو دور کرنے کا عامل بھی ایجاد اور تکوین ہی ہے تو اس سے لازم آتا ہے کہ اِس عامل کی ہدایت میں بھی خطا اور لغزش نہ پائی جائے اور نہ ہی اس کی ہدایت کے وسیلے میں جو کہ روح نبوت اور شعورِ وحی ہے، کوئی خطا اور لغزش پائی جائے۔"

خلاصہ یہ کہ اگر ہم قرآن کریم کی آیات میں تھوڑا سا غور و فکر کریں تو ہمارے اِس دعوی کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ہدایت الٰہی کے فیض کے واسطوں کو معصوم ہونا چاہیے۔ سابقہ ابحاث میں واضح ہو چکا ہے کہ ہدایتِ الٰہی کے دو اہم واسطے، قرآن کریم اور نبی اکرم (ص) کی ذاتِ گرامی ہیں اور قرآن کریم نے اِن دونوں واسطوں کو ہر قسم کی آلودگی، آمیزش، خطا اور لغزش سے پاک اور "معصوم" قرار دیا ہے۔ قرآن کریم اپنے متن میں ہر قسم کے انحراف اور تحریف سے محفوظ ہے۔ اس باب میں اگر چند ناروا تہمتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو گویا اس پر پوری امت کا اجماع اور اتفاق ہے کہ قرآن کریم خداوند تعالی کا خالص کلام ہے اور ہر دخل و تصرف سے پاک ہے۔ چنانچہ خود قرآن کریم میں ارشاد فرماتا ہے:

"وَإِنَّهُ لَكِتٰبٌ عَزِيزٌ لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ" (49)

یعنی: " اور بے شک یہ ایک غالب کتاب ہے؛ باطل نہ اس کے سامنے سے آسکتا ہے نہ اس کے پیچھے سے؛ یہ حکمت والے اور ستائش کے لائق (خدا) کی طرف سے نازل کردہ ہے۔"

یہ آیۂ شریفہ ہدایتِ بشر کے الٰہی متن کے ہر قسم کی تحریف سے پاک ہونے کا ثبوت ہے۔ اس آیہ میں خداوند تعالی نے قرآن کریم کی حفاظت کی خود ذمہ داری لے کر ہدایت کے واسطۂ فیض کی عصمت کی ضمانت فراہم فرمادی ہے۔ نیز اس مطلب پر نہ تنہا یہی آیت، بلکہ کئی دیگر آیات بھی دلالت کرتی ہیں:

"إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ" (50)

یعنی: "بے شک ہم نے ہی اس ذکر کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

"تَنزِيلٌ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ فَمَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ (51)

یعنی: "یہ (کلام) عالمین کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ ہے؛ اور اگر اس (نبی) نے کوئی بات بھی گھڑ کر ہماری طرف منسوب کی ہوتی تو ہم اسے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے؛ پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔ پھر تم میں کوئی مجھے اس سے روکنے والا نہ ہو۔"

لہٰذا ان آیات کی روشنی میں روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ہدایت الٰہی کا یہ واسطۂ فیض (قرآن کریم) ہر قسم کی آلائش، لغزش، خطا اور کمی بیشی سے پاک ہے۔ اور جہاں تک ہدایت الٰہی کے دوسرے واسطۂ فیض، یعنی نبی اکرم (ص) کی عصمت کا تعلق ہے تو وہ بھی ناقابل تردید ہے۔ حتی کہ وہ لوگ جو سہو النبی (ص) کے قائل ہوئے ہیں، ہدایتِ خلق کے عمل میں وہ بھی نبی اکرم (ص) کی عصمت کے قائل ہیں۔ بہر صورت نبی اکرم (ص) ہر قسم کی خطا و لغزش سے معصوم ہیں۔ کیونکہ آپ (ص) اپنے قول و فعل کے ذریعے قرآن کریم کی آیات کی تعلیم دینے والے ہیں۔ اور ہدایت بشر کے متن کی تفہیم و تدریس میں اگر آپ (ص) سے خطا ممکن ہو تو اس سے ہدایت کے متن (وحی) کی عصمت بے سود بن کر رہ جائے گی۔ لہٰذا نبی اکرم (ص) کا معصوم ہونا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا قرآن کریم ہر قسم کی خطا و لغزش سے معصوم اور پاک ہے۔

پس اگر یہ مان لیا جائے کہ نبی اکرم (ص) کا قول و فعل اور آپ کی سنّت، ہدایت الٰہی کا مصداق ہے تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ (ص) معصوم ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تین مراحل میں ہدایت الٰہی کے عہدیدار معصوم ہوں: نہ وہ "وحی" اور الٰہی پیغام کے حصول میں خطا کریں، نہ اس پیغام کو خدا کے بندوں تک پہنچانے یا تبلیغ رسالت میں خطا کریں اور نہ ہی ہدایت کے راستے میں چلتے ہوئے بشریت کیلئے عملی نمونہ

پیش کرنے میں خطا کریں۔ بنابرایں، جو شخص بھی ان تین مراحل میں کسی ایک مرحلہ پر بھی غلطی کا شکار ہو جائے وہ خدا کی طرف سے انسانیت کی ہدایت کے فیض میں واسطۂ فیض نہیں بن سکتا۔

خلاصہ یہ کہ اس بحث کے بعد ہمارے ہاتھ میں واسطۂ فیض کی پہچان کے دو اہم معیار یا خصوصیات آجاتی ہیں اور اب اگر ہم ایک ہاتھ میں ''الٰہی انتخاب'' کا معیار اور دوسرے ہاتھ میں ''عصمت'' کا معیار لے کر واسطۂ فیض کی تلاش میں نکلیں تو ہر قسم کی گمراہی سے نجات پا سکتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ آیا عصر حاضر کے انسان کو کہیں ہدایت الٰہی کا کوئی ایسا واسطۂ فیض ملتا ہے جو ان معیاروں پر پورا اترتا ہو؟ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے تو فقط اہل تشیع کا دعوی یہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسا واسطۂ فیض پا لیا ہے جس کا نام ''امامت'' ہے اور ہدایت الٰہی کا یہ واسطہ، خدا کی بارگاہ سے منتخب بھی ہے اور معصوم بھی۔

اگرچہ ہمارا یہ مقالہ یہاں اختتام پذیر ہو جاتا ہے اور ہم ایک عقیدت مند مؤمن و مسلمان کی حیثیت سے اس باب میں اہل تشیّع ہی کے نظریہ کو اپنانے کا اعلان کرتے ہیں؛ لیکن ایک تحقیق طلب انسان کیلئے چند سوالات کا جواب پانا ابھی باقی ہے اور وہ سوالات یہ ہیں کہ آیا قرآن کریم اور اللہ کے نبی (ص) کی سنت کے بعد ''امامت'' واسطۂ فیض ہے اور اہل تشیّع کا نظریہ واقعی درست ہے؟ اگر درست ہے تو اس کی صحت کے دلائل کیا ہیں؟ اور اگر جواب منفی ہے تو پھر صحابہ و تابعین، محدّثین اور مفسرین، فقہا اور ائمہ و مجتہدین کی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ ہدایت الٰہی کے واسطے ہیں؟ اگر ہیں تو کیا یہ بھی بارگاہ الٰہی کے منتخب اور معصوم واسطے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا انہیں درمیان سے اٹھا لیا جا سکتا ہے؟ نیز اہل تشیع کا نظریۂ امامت اگر درست ہے تو عصر غیبت میں وہ مشابہ سوالات کا کیا جواب دیں گے؟ یقینا ان سوالات کا جواب ایک الگ مقالہ طلب کرتا ہے اور ہم یہ بحث اگلی فرصت پر چھوڑتے ہیں۔

*****

حوالہ جات

1۔طہ: ۵۰

2۔الشعراء: ۷۸

3۔الیل: ۱۲

4۔اعلیٰ: ۳

5۔الشمس: ۸

6۔بقرہ: ۲۵۵

7۔طباطبائی محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، منشورات جامعۃالمدرسین، قم، ج ۲ ص ۳۳۰

8۔ایضا؛ ج ۳ ص ۶

9۔آل عمران: ۱۸

10۔طباطبائی محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، ج ۲ صص ۳۳۱

11۔فاطر: ۱۵

12۔الفاتحہ: ۶

13۔البقرہ: ۲

14۔البقرہ: ۱۸۵

15۔دہر/ ۳۲

16۔ابراہیم: ۱

17۔الحشر: ۷

18-جمعہ: ۲

19۔بقرہ: ۱۷۶؛آل عمران: ۳؛النحل: ۸۹؛اعراف: ۱۹۶؛الدہر: ۲۳

20۔بقرہ: ۱۱۳، ۱۷۴؛ ۲۱۳؛آل عمران: ۳؛ ۴؛ ۷، ۱۱۴؛النحل: ۶۵؛الکہف: ۱؛الشوری: ۱۷

21۔نساء: ۱۰۵؛انعام: ۱۵۵؛النحل: ۶۴؛العنکبوت: ۴۷؛۵۱؛الزمر: ۲، ۴۱؛الحدید: ۲۵۔

22-بقرہ: ۱۲۱؛ ۱۴۶؛آل عمران: ۷۹؛ نساء: ۵۴؛ انعام: ۲۰؛۸۹؛ ۱۱۴، ھود: ۱۱۰؛ الرعد: ۳۶؛ الاسراء: ۲؛ مریم: ۳۰؛ المومنون: ۴۹؛ غافر: ۵۳؛الصافات: ۱۱۷؛الفرقان: ۳۵؛القصص: ۴۳؛۵۲؛ سجدہ: ۲۳؛الجاثیہ: ۱۶

23۔السجدہ: ۲؛الزمر: ۱؛الغافر: ۲؛فصلت: ۴۵؛الزخرف: ۳؛الجاثیہ: ۲؛الاحقاف: ۲؛یوسف: ۳؛النمل: ۶؛القمر: ۱۷؛ھود: ۱

24۔آل عمران: ۷

25۔الاسراء: ۸۸

26۔الحاقہ: ۴۳تا۴۷

27۔مائدہ: ۴۸

28۔ شوری: ۱۳

29۔ شوری:۲۱

30۔ جاثیہ: ۱۸

31۔ بقرہ:۱۳۲

32۔ بقرہ:۳۰

33۔ ص:۲۶

34۔ انعام: ۱۲۴

35۔ قصص:۷

36۔ طہ: ۱۳

37۔ مریم: ۳۰

38۔ مریم:۴۹

39۔ بقرہ: ۱۲۴

40۔ الانبیاء: ۷۳

41۔ سجدہ: ۲۴

42۔ طہ: ۲۴تا۲۹

43۔ اسراء: ۸۰

44۔ آل عمران: ۳۳

45۔ القصص:۶۸

46۔ یس:۴۰

47۔ الملک: ۴،۳

48۔ طباطبائی، محمد حسین؛ تفسیر المیزان /ج ۲، صص ۱۵۵، ۱۵۶؛ نیز اس حوالے سے سورۂ بقرہ/۲۰۵ کے ضمن میں بھی علامہؒ کی نگارشات ملاحظہ فرمائیں!

49۔ سجدہ:۴۱، ۴۲

50۔ حجر:۹

51۔ الحاقہ: ۲۴